صداقت اور بلاغت کا پیکر

ڈاکٹر طاہر احمد مکی°

میں نے پہلی مرتبہ امام البنا کو بالائی مصر کے ضلع قنا کے شہر اسنا کے ایک دور دراز گاؤں میں دیکھا۔ جس میں زیادہ تر ہمارے قبیلے المطاعنۃ کے لوگ آباد تھے، اس وقت تک میں سیاست، قربانی پر مبنی جدوجہد، استعمار کی خرابیوں، انگریز کے قبضے' اس کی ہیبت اور اسلام پر بحیثیت دین اس کے سفاکانہ حملوں سے آگاہ نہ تھا' اور نہ میں عیسائی مشنریوں کے جال، بیرونی ذرائع ابلاغ کی چیرہ دستیوں اور علاج وتعلیم کے پردے میں ان عالمی ایجنسیوں کی طرف سے پھیلائے جانے والے لٹریچر کے سیلاب ہی سے واقف تھا، جو علم اور صحت کے نام پر الحاد واباحیت پھیلانے اور مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے کے پروگرام پر عمل پیرا تھیں۔

اگرچہ میں اس بارے میں کچھ نہ کچھ سنتا بھی رہتا تھا۔ کیونکہ میرا شمار گاؤں کے ان بچوں میں ہوتا تھا جو گاؤں کے پڑھے لکھے لوگوں میں اٹھتے بیٹھتے اور اسکول کی لازمی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ پڑھنے لکھنے اور قرآن کریم حفظ کرنے کے سوا میرا مشغلہ کچھ نہ تھا' جب کہ میرے اکثر دوست کھیتی باڑی اور دیگر ضروریات زندگی کے حصول میں اپنے گھر والوں کی مدد کرتے تھے۔ میرے فرائض میں یہ بھی شامل تھا کہ میں فرصت کے لمحات میں گاؤں کے ان پڑھ لوگوں کو الاہرام اخبار پڑھ کر سناؤں۔ یہ وہ واحد اخبار تھا جو میرے ایک ماموں، گاؤں کے چودھری اور مقامی سرکاری افسر کے مشترکہ تعاون سے آیا کرتا تھا۔ میں نے سنا کہ اخوان المسلمون کے مرشد عام حسن

° پروفیسر عربی زبان وادب، اور مدیر مجلہ ادب ونقد، قاہرہ۔ ترجمہ: ڈاکٹر احسان الحق

البنا میرے قبیلے کے خاندانی مہمان خانہ کیمان المطاعنة میں بطور مہمان تشریف لا رہے ہیں۔ یہ دیوان خانہ میری رہایش گاہ سے چند کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا۔ چنانچہ میں نے اس عظیم شخصیت کی زیارت کے ارادے سے رخت سفر باندھا جس کا نام اخبارات میں مختلف حوالوں سے چھپتا رہتا تھا۔ خاص طور پر النذیر رسالے میں ان کا لکھا اداریہ میری توجہ کا مرکز ہوتا جو میرے ماموں جب بھی شہر جاتے میرے لیے لے آتے۔ یہ اگست ۱۹۳۸ء کے آخری ایام تھے۔ یہ نووارد مہمان دُور سے اور پھر قریب سے میری توجہ کا مرکز بن گیا۔ کھلے سفید، سادہ، موٹے اور کھرّے لباس میں ملبوس تھا، سر پر ترکی ٹوپی کے اوپر پگڑی بندھی ہوئی تھی، درمیانی قدوقامت' سرخی مائل سفید رنگ، خوب صورت متشرع داڑھی، دل میں اُترنے والی نگاہ بصیرت ـــــ جب وہ سادہ دیہاتیوں کے جمگھٹے میں چل پھر رہا تھا تو گویا اس کے گرد نور کا ہالہ بن جاتا جسے دیکھ دیکھ کر خوش گوار حیرت ہوتی۔ وہ سیکڑوں لوگوں کے دلوں پر حکومت کرنا جانتا تھا۔

○ ان کے شب و روز: حسن البنا نے دو دن کیمان المطاعنة میں گزارے، جس میں انھوں نے گاؤں کی سرکردہ شخصیات سے ملاقاتیں کیں۔ یہاں تک کہ وہ ان لوگوں سے بھی ملے جو ہمارے خاندان کے مخالف تھے اور ان سیاسی لوگوں سے بھی جو اخوان المسلمون سے خوش گوار تعلقات نہ رکھتے تھے۔ اسی دورے میں انھوں نے ناراض لوگوں کے درمیان صلح کرائی اور لوگوں کو کلمۂ خیر پر اکٹھا کیا۔ یہ سب انھوں نے صبح کے اوقات میں ہلکا سا ناشتہ کرنے کے بعد انجام دیا' جب کہ میزبانوں نے پرتکلّف دیہاتی ناشتے کا بھرپور اہتمام کیا ہوا تھا۔ جب دن آدھا گزر گیا تو انھوں نے ظہر کے وقت مسجد میں لوگوں کی امامت فرمائی۔ اس کے بعد عربی طریقے پر فرشی نشست سجا دی گئی، جس پر مدعو حضرات ان کے گرد ظہرانہ تناول کرنے کے لیے بیٹھ گئے۔ کھانا ختم ہوا تو ایک خوب صورت دعاے شکر آپ کے لبوں پر جاری ہوگئی جس کے الفاظ مجھے اب تک یاد ہیں' اور جن کی گونج میرے کانوں میں ایسے سنائی دیتی ہے جیسے کل کی بات ہو۔ ایک سجی سجائی پاک زبان جو جذبۂ احسان مندی سے بھرپور تھی: اَکَلَ طَعَامَکُم الأَبرار، وَ صَلَّت عَلَیکُم مَلَائِکۃُ الرَّحمان، وَذَکَرَکُم اللّٰہُ فِیمَن عِندَہٗ، ''نیکوکاروں نے تمھارا کھانا کھایا۔ رحمان کے فرشتوں نے تمھیں دعا دی' اور اللہ نے تمھیں یاد فرمایا''۔

ظہرانے کے بعد امام نے کچھ دیر آرام کیا۔ دھوپ کافی تیز تھی اور صعید مصر کے بالائی علاقوں کی گرمی ویسے بھی بہت مشہور ہے، یہاں تک کہ عصر کا وقت ہوگیا۔ آپ نے گاؤں کی مسجد میں امامت فرمائی۔ گاؤں کا نقشہ بھی عجیب تھا۔ کوڑے کے ڈھیروں سے اٹا ہوا، جن پر گرد اڑتی رہتی تھی۔ دھوپ کی تمازت چہار اطراف سے اپنی لپیٹ میں لیے رہتی۔ اس سب کے باوجود نہ تو امام بے چین ہوئے، نہ اکتائے، کسی تکلیف پر اُف تک نہ کی۔

ایک دن نماز کے بعد اپنی تقریر کی ابتدا اس حدیث سے کی:

وَمَا اجتَمَعَ قَومٌ فِی بَیت مِن بُیُوتِ اللّٰہِ، یَتلُونَ کِتَابَہ، وَیَتَدَارَسُونَ آیَاتِہ، اِلَّا حَفَّتہُمُ المَلَائِکَۃُ وَغَشیَتہُم الرَّحمَۃ (مسلم) کوئی گروہ ایسا نہیں ہے جو اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوکر اس کی کتاب کی تلاوت کرتا ہے اور اس کی آیات کو سیکھتا اور سکھاتا ہے اِلا یہ کہ فرشتے اسے گھیر لیتے ہیں۔ اور (اللہ کی) رحمت اسے ڈھانپ لیتی ہے۔

پھر انھوں نے بعض آیات قرآنی کی تفسیر کی اور انھیں لوگوں کے اجتماعی حالات پر منطبق کیا۔ مجھے اب ان کی گفتگو کی تفصیل یاد نہیں ہے۔ البتہ اس کی ایک زندہ تصویر اب بھی میری عقل و دل کو جذبات سے لبریز کردیتی ہے۔ قبیلے کی مختلف سرکردہ شخصیات کے دیوان خانوں کے تھکا دینے والے دورے کے بعد جب رات چھا گئی اور لوگ نیند کی آغوش میں چلے گئے تو وہ تنہا بیٹھ کر گہری خاموشی کے عالم میں اپنے اوراد و وظائف پڑھنے لگے اور اپنے معمول کے مطابق نوافل ادا کرنے لگے۔

اس دورے میں ان کے ہمراہ ایک ساتھی تھے۔ بھرے بھرے جسم، مضبوط ساخت کے مالک، نئے نئے ازہر سے فارغ ہوئے تھے، عمامہ و جبہ میں ملبوس۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ لوگ ان کے تصنع و بناوٹ اور ان کی گفتگو میں خود پسندی کی بنا پر ان سے مطمئن نہ ہوئے۔ یوں لگا کہ گویا ایک مصنوعی شخصیت ان کے لیے بوجھ بن رہی ہے۔ چنانچہ انھوں نے اسے نظرانداز کردیا اور امام البنا کے گرد ہی جمع رہے۔ اگرچہ مہمان نوازی ان کی بھی جاری رہی۔

کیمان المطاعنۃ سے امام اصفون المطاعنۃ تشریف لے گئے۔ وہاں آپ فراج طایع

خاندان کے مہمان ہوئے۔ اس خاندان کے سربراہ نے کئی سال ازہر میں بغیر کوئی ڈگری لیے گزار دیے، جیسا کہ اس زمانے میں کچھ لوگوں کی روایت تھی۔ پھر وہ اس حلقے سے سینیٹ کے ممبر منتخب ہوگئے اور شیخ محمد امیر کو یقین دہانی کرائی کہ وہ گاؤں میں اخوان کی شاخ قائم کریں گے۔ شیخ امیر نے بھی ازہر میں دو سال گزارے تھے اور ناگزیر وجوہ کی بنا پر اپنی تعلیم مکمل نہ کرسکے۔ انھوں نے اس محرومی کی تلافی یوں کی کہ وہ ہمیشہ گاؤں کے نوجوانوں کو تعلیم حاصل کرنے پر ابھارتے رہے۔ وہ خود انھیں اسکولوں اور قاہرہ کے اداروں اور کالجوں میں داخلہ دلانے کی مشقت برداشت کرتے۔

○ صعید مصر کا دورہ: اگلے سال ستمبر ۱۹۳۹ء میں حسن البنا نے بالائی مصر کا دوسرا دورہ کیا۔ اس دفعہ پورا بالائی علاقہ ان کی دعوت کا ہدف تھا۔ وہ لوگوں سے روابط بڑھاتے اور اخوان کی قائم شدہ شاخوں کو مضبوط کرتے اور کوشش کرتے کہ لوگوں کی اقتصادی اور خاندانی مشکلات کو حل کریں، اور انھیں نیکی اور بھلائی کی طرف راغب کریں۔ ان قبائل میں پائی جانے والی بعض منفی عادتوں، انتقام، بغض اور عصبیتوں کے خاتمے کی کوشش کریں۔ اس بار یہاں پر امام کا والہانہ استقبال ہوا اور قبائلی روایت کے مطابق ہوائی فائرنگ سے ان کی عزت افزائی کی گئی۔

اس بار میں نے انھیں زیادہ قریب سے دیکھا۔ میں ایک سال بڑا ہوگیا تھا اور ان سے میرے لگاؤ میں اضافہ ہوتا گیا۔ انھوں نے اپنے پروگرام، عبادات اور لباس میں کوئی تبدیلی نہ کی تھی۔ اس دفعہ شیخ عبدالمعز عبدالستار نامی ایک دوسرا ازہری نوجوان ان کا رفیق سفر تھا۔ وہ کلیہ اصول الدین کا طالب علم تھا۔ لوگوں نے اس کے لیے بھی اسی طرح چاہت کا اظہار کیا جس طرح امام البنا کے لیے کیا تھا۔ وہ نہایت پروقار منکسر المزاج نوجوان تھا۔ ''وہ حیا سے سر جھکاتا اور چہرے اس کے رعب سے جھک جاتے تھے''۔ حسن البنا اور ان کا یہ ساتھی اصفون المطاعنة سے ہمارے پاس آئے تھے۔ اپنی قیام کی مدت پوری کرنے کے بعد وہ ''اِسنا'' روانہ ہوگئے تاکہ وہ بالائی مصر کے باقی شہروں کا دورہ مکمل کرسکیں۔

○ قنا کے مرکزی شہر میں: اگلے سال میں نے صوبے کے دارالحکومت قنا کے ایک انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ لے لیا۔ یہ بجھا بجھا سا شہر تھا جس میں ایک اخبار یا کتاب کے حصول کے لیے بھی جدوجہد کرنا پڑتی۔ اس میں میں نے پہلا سال ایک غافل نوجوان کی حیثیت سے گزارا۔

شہر میں گھومتا پھرتا۔ ہر جمعرات کی شب سینما کے علاوہ کہیں میرا آنا جانا نہ ہوتا۔ چنانچہ اس سال مجھے اس شہر کی عام زندگی کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہوا۔ اگلے سال میں شہر کی مرکزی شاہراہ پر منتقل ہوگیا اور شہر کی سرگرمیوں سے واقف ہونے لگا۔ میں گاہے گاہے جمعیت شبان المسلمین کے دفتر چلا جاتا جس کی سرگرمیاں بعض دینی ایام منانے تک محدود تھیں، مثلاً: ہجری سال کے آغاز، جشن میلاد النبیؐ اور یوم بدر کے موقعوں پر تقریبات یا پھر گاہے بگاہے بعض جسمانی ورزشوں کے پروگرام۔ ان تقریبات کو سامراج کے خلاف دینی شعور بیدار کرنے کا ذریعہ بنایا جاتا۔ اس طرح یہ مواقع لوگوں میں روح جہاد ابھارنے اور قومی بیداری کا باعث بنتے۔ ان تقریبات میں بسا اوقات بڑے بڑے افسران شریک ہوتے جن میں تقریب کی مناسبت سے مرکزی خطبہ دیا جاتا، نصیحت کا کوئی پہلو سامنے لایا جاتا اور مسلمانوں کو ان کی کھوئی ہوئی عظمت واپس لینے پر ابھارا جاتا۔ علاقے کے شعرا درمیانے درجے کی شاعری پیش کرتے۔ ایسی نظمیں پڑھی جاتیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مناجات ہوتی، عظمت رفتہ کا گریہ ہوتا اور آنے والے کل کی اچھی اُمید ہوتی۔

ان دنوں، جب کہ میں جوانی کی دہلیز پر دستک دے رہا تھا، میں نے محسوس کیا کہ جمعیت شبان المسلمین وقت گزاری اور خطابت کی مشق کے لیے اچھی جگہ ہے۔ اگرچہ اس وقت میرا یہ بھی خیال تھا کہ ان کے پاس واضح سیاسی لائحہ عمل نہیں ہے، اور وطن کی آزادی ہرگز ان کے مجوّزہ طریقے سے حاصل نہ ہوسکے گی۔ بہرحال آخر شب نشے میں مدہوش غیرملکی فوجیوں کی نقل وحرکت ہمارے جذبات بھڑکا دیتی اور ہماری رگوں میں بغاوت اور ٹکراؤ کے جذبات دوڑا دیتی۔

ایک روز اچانک میں اخوان المسلمون کے دفتر چلا گیا جو شہر کے وسط میں ایک عمارت کی زمینی منزل میں قائم تھا۔ دفتر ایک لیکچر ہال پر مشتمل تھا جو نماز کے اوقات میں نماز گاہ اور دفتری اوقات میں دفتر کا کام دیتا۔ تیسرے کمرے کے ساتھ طہارت خانے کا انتظام تھا۔ میں دفتر میں داخل ہوا تو میرے ذہن میں اس عظیم شخصیت کی تصویر تھی جسے میں نے دو سال پہلے اپنے دیوان خانے (گاؤں) میں دیکھا تھا۔

اخوان المسلمون کی سرگرمیاں مختلف لیکچر اور دروس پر مشتمل تھیں۔ خطابت کی مشق بھی کروائی جاتی تھی۔ ایسی سفری مہمات پر بھی بھیجا جاتا جن میں بھلائی کے کاموں میں تعاون کے لیے

تربیت دی جاتی۔ ان سرگرمیوں میں سیکنڈری اسکولوں کے اساتذہ وطلبہ اور چھوٹے ملازمین شریک ہوتے' اور معہد دینی کے بعض طلبہ بھی شریک ہوجاتے۔ البتہ معہد کے اساتذہ الگ تھلگ رہتے اور صرف جمعیت شبان المسلمین میں وعظ وخطابت پر اکتفا کرتے۔

۲۰ مئی ۱۹۴۴ء کو وزیر اعظم حسین سرّی نے حسن البنا کا تبادلہ عباس اول قاہرہ پرائمری اسکول سے پرائمری اسکول قنا میں کردیا اور وہ بھی تعلیمی سال کے آخر میں۔ حسن البنا صرف منصبی ذمہ داری سنبھالنے آئے اور پھر واپس چلے گئے، کیونکہ میں نے اس سال انھیں دوبارہ نہیں دیکھا۔ میں خود بھی اپنے امتحانات میں مصروف ہوگیا۔ دوسرے سال کے آغاز میں وہ تشریف لائے اور میں اپنا پورا وقت ان کے ساتھ گزارنے لگ گیا۔

○ حسن البنا بحیثیت معلم: حسن البنا دقت نظری میں اپنی مثال آپ تھے۔ نہایت ذہین اور موقع شناس استاذ تھے اور حالات کو اپنے حق میں استعمال کرنا خوب جانتے تھے۔ جب ہیڈ ماسٹر کو یہ خفیہ احکامات ملے کہ وہ حسن البنا کو خوب تنگ کرے۔ انھوں نے زیادہ سے زیادہ پیریڈ ان کے سپرد کردیے۔ اس زمانے میں اسکول کل وقتی ہوتے تھے، یعنی صبح ساڑھے سات بجے سے ظہر کے بعد چار بجے تک۔ حسن البنا اس طویل دورانیے سے بھی بے زار نہ ہوئے' بلکہ انھوں نے خواہش کی کہ وہ عربی رسم الخط کی کلاس لیں گے۔ دیگر اساتذہ اس مضمون کی تدریس سے بھاگتے تھے۔ ایک تو وہ اسے معمولی مضمون گردانتے تھے۔ دوسرے' طلبہ بھی اس میں دل چسپی نہیں لیتے تھے۔ عموماً اس مضمون کو فطری صلاحیت کا مرہون منت سمجھا جاتا تھا۔ انسپکٹر حضرات بھی اسے خاطر میں نہ لاتے۔ چنانچہ انھوں نے شکریے کے ساتھ یہ مضمون انھیں دے دیا اور اس طرح اسکول انتظامیہ بھی خوش اور حسن البنا کے رفقا اساتذہ بھی خوش۔

حسن البنا کی اس مضمون میں دل چسپی کے دو مقاصد تھے۔ پہلا یہ کہ اس مضمون کے ہر کلاس میں ہفتہ وار دو پیریڈ تھے جس کا مطلب تھا کہ وہ اسکول کے تمام طلبہ کو پڑھائیں گے جو ۱۵ کلاسوں اور سیکشنوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس طرح ان کا رابطہ تمام طلبہ سے ہوگیا جو اب دور جوانی میں داخل ہونے والے تھے اور وہ ان میں سے ایسے افرادِ کار تیار کرسکتے تھے جن کی مستقبل میں ملک کو ضرورت تھی۔ عملاً انھیں اس مقصد میں کامیابی بھی ہوئی۔ پس یہ خوش باش استاد، ہمیشہ

مسکراتا ہوا، پرسکون طبیعت کا مالک، شایستہ و پروقار، ایک غیر اہم مضمون میں تمام طلبہ کی دل چسپی کا باعث بننے لگا۔ وہ پیریڈ کا کچھ حصہ خوش خطی سکھاتا جسے بچے خوشی خوشی سیکھتے۔ وہ ان سے کھل کر گفتگو کرتا۔ ان کے ذاتی معاملات میں دل چسپی لیتا۔ ان کی محدود دنیا سے انھیں دور نہ کرتا۔ وہ ان سے بغیر سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ کے سوال و جواب کرتا: آج صبح کی نماز کس نے پڑھی ہے؟ نماز پڑھنے والوں کو وہ انعام دیتا، ان کی حوصلہ افزائی کرتا۔ کس نے قرآن میں سے کچھ یاد کیا ہے ،وہ سنتا اور تصحیح کرتا۔ پھر جب آدھی چھٹی ہوتی تو وہ ان سے اسکول کی مسجد میں ملنے کا وعدہ کر لیتا۔ ایک ماہ کے اندر اندر وہ اسکول کے تمام طلبہ کے محبوب ترین استاد بن چکے تھے۔

یہ مضمون اختیار کرنے کی وجہ یہ بھی تھی کہ خوش خطی سکھانے کا پیریڈ اپنے وقت پر ختم ہوجاتا۔ اس کے لیے انھیں پریڈ کے بعد کسی تصحیح کی ضرورت ہوتی اور نہ پریڈ سے پہلے کسی تیاری کی۔ وہ دن کا بقیہ اور رات کا بڑا حصہ دعوت دین اور اسکے مددگاروں (انصار) کی تلاش میں یا عبادت و مطالعے میں صرف کر دیتے۔

حسن البنا ہوٹل جبلاوی الجدید میں ٹھیرتے۔ یہ ان دنوں قنا کے اعلیٰ ہوٹلوں میں سے ایک تھا۔ اس کی عمارت آج تک قائم ہے اگرچہ مرور ایام سے اس کی حالت خستہ ہوچکی ہے۔ حسن البنا کا پروگرام معمول کے مطابق یہ ہوتا کہ چار بجے ہوٹل آجاتے، کپڑے تبدیل کرتے، کچھ دیر آرام کرتے۔ پھر اخوان کے دفتر آتے اور نماز مغرب کی جماعت کرواتے۔ خشوع و خضوع سے بھرپور نماز، نہ اتنی لمبی کہ لوگ تھک جائیں اور نہ اتنی مختصر کہ صرف فرض کا بوجھ اتارنا مقصود نظر آئے۔ اس کے بعد جماعت کے دیگر معاملات نمٹاتے، اور ملاقاتیوں سے ملاقاتوں میں مصروف ہوجاتے۔ کہیں وقت دیا ہوتا تو وہاں چلے جاتے۔ کبھی کبھار دیگر اسلامی اور مسیحی تنظیموں کے ذمہ داروں سے گفتگو رہتی۔ پھر نماز عشا کے لیے تشریف لے جاتے۔ بعد میں امام غزالی کی احیاء علوم الدین سے درس دیتے۔ اس کتاب کی وہ بہت تعریف کرتے بلکہ انھوں نے ہی سب سے پہلے ہماری توجہ اس کی طرف مبذول کروائی۔ شب جمعہ نماز عشا کے بعد عام لیکچر ہوتا جس میں شہر کے کونے کونے سے لوگ شریک ہوتے' چاہے ان کا اخوان سے تعلق ہو یا نہ ہو۔ اس لیکچر میں عوام کو درپیش مسائل پر گفتگو رہتی اور دینی حوالے سے ان کا حل پیش کیا جاتا۔

○ فطری جمال اور لوگوں سے محبت کرنے والا: حسن البنا کی چند ماہ کی رفاقت سے مجھ پر ان کے بارے میں کئی چیزیں واضح ہوئیں۔

ان کا کیا حافظہ تھا! میں جب بھی ان سے ملا انھوں نے مجھ سے میرے اہل وعیال کی فرداً فرداً نام لے کر خیریت دریافت کی۔ یہاں تک ان لوگوں کے بارے میں بھی پوچھا جن سے ان کی ملاقات صرف چند منٹ کے لیے ہوئی تھی۔

وہ فصیح عربی پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے۔ وہ ہمیشہ فصیح وبلیغ، صاف، آسان اور واضح عربی میں گفتگو کرتے تھے۔ وہ اگر کسی شخص کے کردار پر خواہ وہ دشمن ہی کیوں نہ ہو گفتگو کرتے تو صرف اتنا ہی ذکر کرتے جتنا کھوٹ اور باطل اور دین سے انحراف اس کے اندر دیکھتے۔ مرض کی تشخیص کرتے، علاج تجویز کرتے اور وہ تدابیر بتاتے جو کارگر ہوتیں۔ لوگوں کا انتخاب کرتے اور انھیں اکٹھا رکھنے کی سعی کرتے اور وہ ہمیشہ فرمایا کرتے: جن امور پر ہم متفق ہیں ان کے لیے ہم مل جل کر کام کریں گے' اور جن باتوں میں ہمیں ایک دوسرے سے اختلاف ہے ان کے بارے میں ایک دوسرے سے درگزر کا معاملہ کریں گے۔ میں نے انھیں ہر طرح کے لوگوں کے لیے فراخ دل پایا۔ جوان سے عمر اور مناصب میں بڑے تھے یا جوان سے عمر اور مرتبے میں کم تھے' سب کو اہمیت دیتے اور مشکلات پر قابو پانے میں ان کی مدد کرتے۔ اس مقصد کے لیے قاہرہ میں اخوان المسلمون کے مرکزی سیکرٹریٹ میں تعلقات عامہ کا ڈائریکٹوریٹ قائم ہوا۔ جس کا کام ملکی اور عالمی سطح پر اخوان کی مدد کرنا' ان کی روز مرہ مشکلات کا حل ڈھونڈنا تھا۔ شیخ البنا کی انتہائی خواہش ہوتی کہ اخوان ہمیشہ باہمی محبت وتعاون کی بنیاد پر جمع ہوں۔ وہ جہاں بھی جاتے اس بات کا اہتمام کرتے کہ وہ جہاں سے آ رہے ہیں وہاں کے اخوان کا سلام اپنے تمام حاضرین کو پہنچائیں۔

حسن البنا کے دامن دل کو فطرت کا حسن والہانہ طور پر کھینچتا۔ نیل کا منظر، طلوع وغروب آفتاب کے لمحات اور پہاڑوں کا رعب وجلال انھیں بہت بھلا لگتا کیونکہ وہ اس میں خدا کی قدرت دیکھتے۔ ہمیں بارہا قنا کے جنگلوں میں ان کے ساتھ تفریح کے مواقع ملے۔ یہ جنگل شہر کے کنارے صحرا کے ایک حصے میں لگائے گئے تھے، وہاں ہم نماز مغرب پڑھتے۔ ہماری نگاہوں کو کوئی دیوار نہ

روکتی اور نہ کھلے آسمان کو دیکھنے میں کوئی چیز حائل ہوتی۔ چند ہی ماہ گزرے تھے کہ انگریزی استعمار اور اس کے اشاروں پر چلنے والی مصری حکومت نے محسوس کرلیا کہ حسن البنا بالائی مصر (صعید) میں قاہرہ سے زیادہ خطرناک ثابت ہو رہے ہیں۔ وہاں انھیں ایک نیا اور وسیع میدان میسر ہے۔ ایسے مخلص لوگوں سے ان کی ملاقاتیں ہوتی ہیں جنھیں تہذیبی یلغار نے خراب نہیں کیا اور خوشامد نے ان کے دل و دماغ تک راہ نہیں پائی۔ چنانچہ انھیں واپس قاہرہ بھیج دیا گیا۔

حسن البنا نے قنا سے کوچ کرنے سے پہلے رخصت کے ان لمحات میں بھی ایک عظیم کارنامہ انجام دے دیا۔ انھوں نے لوگوں کی ان سے محبت اور تعلق کو مقصدیت میں ڈھالتے ہوئے کہا: میں چاہتا ہوں کہ اخوان کا یہ دفتر کسی کرایے کی عمارت کا فلیٹ نہ ہو بلکہ خود آپ کی ملکیت ہو۔ چنانچہ ہر طبقے کی طرف سے چندے کا ڈھیر لگ گیا۔ اس مرکز کی تعمیر شہر کے بہترین مقام پر ہوئی۔ اس میں ایک بڑا لیکچر ہال، ڈسپنسری، لائبریری، مسجد اور ایک مہمان خانہ قائم ہوگیا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے علاقے کے عوام و خواص کے لیے مرکز نگاہ کی حیثیت اختیار کر گیا۔

○ بعض اہم شخصیات: میری یادداشت میں اب بھی اس دور کی بعض صورتیں نقش ہیں اگرچہ کچھ نام میں بھول گیا ہوں۔ مجھے شیخ محمد عبدالظاہر جو نکاح خواں اور لائبریری انچارج تھے اچھی طرح یاد ہیں۔ ایک متحرک شخصیت جنھیں اخوان المسلمون کے خلاف کارروائی میں اپنی زندگی قید میں گزارنا تھی۔ فنکار سعد شاذلی جو فطری مصور تھے، معطر اخلاق کے مالک جنھوں نے عقوبت سہتے ہوئے جان دی۔ ایک اور صاحب جو عدلیہ کے ممتاز مشیر (ایڈوائزر) تھے۔ ہمارے گھر آتے تو نماز کی امامت کرتے اور قرآن کی بعض آیتوں کی تفسیر کرتے۔ اچانک انکشاف ہوا کہ انھوں نے قرآن حفظ کرلیا ہے۔ محمد القرط مذبح خانہ کے نگران تھے۔ وہ کبھی مغرب اور عشا کی نماز پڑھاتے تو ایسے خشوع اور مٹھاس سے قرآن پڑھتے کہ چٹان بھی پگھل جائے۔ طٰہٰ عبدالسلام تھے جنھیں کوئی مشکل سے مشکل کام بھی سونپا جاتا، تو اسے کرنے کے لیے فوراً تیار ہوجاتے۔ حسین اسدی جو قنا کے صنعتی علاقے میں مدرس تھے، ان کی بہت اہم ذمہ داریاں تھیں جن کا ذکر بعد میں کروں گا۔ یہیں احمد سنہوری بھی تھے جو ہمیشہ اپنے اصولوں پر ڈٹے رہے۔ اور ابراہیم دھمش جو تعلیم اور اخوان کے ساتھ اپنا سفر جاری نہ رکھ سکے۔

○ قاھرہ میں: جیسے ہی شیخ البنا قاہرہ پہنچے حسین سری پاشا حکومت کے ارادے ظاہر ہوگئے۔ان کی مطبوعات پر پابندی لگادی گئی۔لیکن اخوان نے بغیر کسی خوف یا دباؤ میں آئے اپنے اعصاب قابو میں رکھے۔ انھی دنوں غالباً ۱۹۴۱ء ماہ دسمبر کے اواخر کا ذکر ہے کہ قنا آنے والی ریل گاڑی میں جوشام سات بجے پہنچتی تھی، مجاہد ومتقی رہنما صالح عشماوی مرحوم قنا تشریف لائے۔ وہ حکومت انگریز سے چھپ چھپا کر شہر کے کنارے واقع ایک بنگلے میں اخوانیوں سے ملے۔ یہاں انھوں نے عشا کی نماز ادا کی اور اہم معاملات میں مشاورت کی۔ اس موقعے پر انھوں نے اخوانی قیادت کے اہم فیصلے اور پالیسی ہم تک پہنچائی: ''ہم حکومت کو اشتعال نہیں دلانا چاہتے لیکن اگر ہمیں مجبور کردیا گیا تو ہم پوری پامردی سے حکومتی جبر کا سامنا کریں گے بلکہ اسے گھیرنے کی پوزیشن میں ہوں گے''۔ فجر ہوتے ہی وہ دوبارہ قنا اسٹیشن پہنچے۔ گاڑی پکڑی اور واپس روانہ ہوگئے۔متعلقہ لوگوں کے علاوہ کسی کو ان کی آمدورفت کی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

ان کی روانگی کے بعد ہم نے مکمل منصوبہ بندی کی کہ ہم کیسے اہم مراکز پر انگریز کی مزاحمت کریں گے۔بجلی و ٹیلی فون کی تنصیبات کے مراکز کو ہدف بناتے ہوئے کیسے چند منٹوں میں پورے شہر کی بجلی منقطع کردیں گے۔اس مہم کو کون اور کیسے سرانجام دے گا؟ چنانچہ مختلف اداروں میں کام کرنے والے ہمارے کارکن مختلف ضروری معلومات اور نقشے لے آئے۔حسین رشدی نے بجلی منقطع کرنے کی تربیت اپنے ذمے لی کہ ہم کیسے بغیر تکلیف اٹھائے اہم مقامات کی بجلی معطل کردیں۔ برطانوی افواج کے پڑاؤ اور اسلحے کے ذخائر کہاں کہاں ہیں' فوجی مداخلت کی صورت میں ہم کیسے ان کا مقابلہ کریں گے؟ مجھے نہیں معلوم ان دنوں قاہرہ میں کیا کیا ہورہا تھا،لیکن چند ہی دنوں میں حسن البنا کو رہا کردیا گیا،اخوان المسلمون سے پابندی اٹھالی گئی۔ اور انھوں نے اپنی سرگرمیاں مزید زوروشور سے شروع کردیں۔اب انھیں غیر معمولی عوامی حمایت بھی حاصل تھی۔

قنا میں اخوان کی وسعت پذیر سرگرمیوں کے باوجود ہمارے انسٹی ٹیوٹ میں پڑھائی کی حالت اچھی نہ تھی۔ اساتذہ کا معیار بہت پست تھا۔تربیتی معیار بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔کسی کا کوئی قابل ذکر تخصص بھی نہ تھا۔ ہر استاد ہر مضمون پڑھادیتا تھا۔شہر کی ثقافتی زندگی کا حال بھی پتلا تھا۔انھی دنوں معہد میں نئے ڈپٹی ڈائرکٹر کامل عجلان آئے جو صحافی اور ادیب تھے۔انھوں نے

ہمارے جامد افکار میں اپنے نئے اسلوب فکر وفہم سے تہلکہ برپا کر دیا۔ مجھے انھوں نے گھٹن کی اس فضا سے نکل جانے کے لیے ابھارا اور میں نے قاہرہ سے کوچ کرنے کا ارادہ کرلیا' اور یہ فیصلہ کیا کہ انٹرمیڈیٹ قاہرہ سے مکمل کروں گا۔

۱۹ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو میں قاہرہ پہنچا۔تب قاہرہ میں طرح طرح کے مظاہرے عروج پر تھے۔ وفد پارٹی کی حکومت تخت مصر سے نہایت تلخ چپقلش کے بعد مستعفی ہوگئی تھی۔شاہ فاروق نے احمد ماہر پاشا کو نیا وزیراعظم نامزد کیا تھا۔ پارلیمنٹ تحلیل کردی' اور پھر سے ایک ایسی سیاست کی ابتدا کردی گئی،جس کا مرکز شاہ فاروق کی ذات تھی۔

قاہرہ کے شور نے مجھے مکمل طور پر اپنی گرفت میں لے لیا۔طلبہ کے مظاہرے رکنے کا نام نہ لیتے تھے۔ اور طرح طرح کے ثقافتی اجتماعات، سوسائٹیوں، یونینوں اور یونی ورسٹیوں کی سرگرمیاں چین نہ لینے دیتی تھیں۔ان میں سے بعض پروگراموں میں ہم ٹکٹ خرید کر شریک ہوتے تھے۔ اس لیے مجھے اخوان المسلمون کے مرکز سے دوبارہ رابطہ کرنے میں کچھ وقت لگا۔ یہ مرکز حلمیہ الجدیدہ کے ایک اہم میدان میں واقع تھا۔یہ قاہرہ کے عین مرکز میں واقع تھا،تب یہ علاقے کی سربرآوردہ شخصیات کا ٹھکانا ہوا کرتا تھا۔

اس میدان میں اخوان کی دو عمارتیں تھیں۔ایک پرانی طرز کی دومنزلہ عمارت جس میں اخوان کا پرانا مرکز اور ان کے اخبار کا دفتر تھا۔دوسری ایک کشادہ وآرام دہ عمارت تھی جو اخوان نے حال ہی میں خریدی تھی۔عمارت خریدنے اور ایک روزنامہ نکالنے کے لیے پورے مصر کی سطح پر اہلِ مصر نے تعاون کیا تھا۔ ملک کے تمام ہی طبقات، مال دار وفقرا،تعلیم یافتہ مزدوروں، مردوں، عورتوں اور بچوں تک نے اپنی بچتیں' اور زیورات تک اس مد میں دے دیے تھے۔قاہرہ میں اس محل نما عمارت کے خوب صورت 'العربی ہال' میں میں نے پہلی مرتبہ حسن البنا کو قاہرہ میں دیکھا۔ ان کے گرد لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔مسئلہ فلسطین کے سلسلے میں منعقدہ اجتماعات میں سے ایک اجتماع کے بعد وہ عوام کو سلام کررہے تھے۔ انھی کے درمیان ،میں نے امین الحسینی مفتی فلسطین اور بریگیڈیر صالح حرب صدر جمعیت شبان المسلمین کو دیکھا۔ وہاں دیگر بہت سی شخصیات کو میں نہیں جانتا تھا۔

میں نے مجمع چھٹ جانے کا انتظار کیا۔ پھر ان کی طرف بڑھا۔ وہ مجھے فوراً پہچان گئے اور میرا پرجوش استقبال کیا۔ پھر عادت کے مطابق میرے اہل وعیال کے بارے میں فرداً فرداً دریافت کیا۔ میری رہایش اور پڑھائی کے بارے میں پوچھا۔ پھر گاہے گاہے ملتے رہنے کے لیے کہا۔ میں اب اکثر مرکز آنے جانے لگا۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ استاذ مرشد- یہ شیخ البنا کا لقب تھا' ہر منگل کو عشا کے بعد درس دیتے ہیں' اور یہ حالات کے مطابق دو گھنٹے اور کبھی تین گھنٹے تک طویل ہوجاتا۔ قاہرہ کے کونے کونے، اور آس پاس کے شہروں اور قصبوں سے لوگ کھچے چلے آتے تھے۔ مرکز کا صحن اور سامنے والا میدان بھر جاتے، سامنے کی شاہراہوں پر بھی تل دھرنے کی جگہ نہ ہوتی۔ لوگ اپنی کرسیاں ہمراہ لاتے یا قدموں پر ہی کھڑے رہتے تاکہ وہ اس الہامی شخصیت کو سنیں جس کی بلاغت بے مثل تھی، جو عوام کے دلوں تک پہنچنا جانتا تھا، صداقت جس کے عمل کی بنیاد تھی۔ ان کی گفتگو جامع ہوتی۔ دین، سیاست، معیشت، سماجیات' غرض یہ کہ ہر وہ موضوع جس کا تعلق زندگی سے ہوتا، ان کی تقریر اس سے سجی ہوتی۔ تقریر کے آخر میں عام سامعین کی باری ہوتی کہ وہ جو وضاحت طلب کرنا چاہیں اسے لکھ کر بھیج دیں۔ پھر نصف کلومیٹر کے فاصلے تک پھیلے ہوئے عوام کے اس اجتماع کی طرف سے آمدہ سوالوں کے جوابات لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے دے دیے جاتے' خواہ سوال کتنا ہی حساس کیوں نہ ہوتا۔

○ همه پهلو شخصیت: امام حسن البنا کو اللہ تعالیٰ نے جامع کلمات عطا کیے تھے۔ وہ بلاغت کے اس اصول کا سب سے زیادہ پاس کرنے والے تھے کہ: ''ہر بات کا اپنا ایک موقع محل ہوتا ہے''۔ ان کے پاس ہر سطح کے لوگوں کے لیے مختلف انداز بیان ہوتا اور ہر نئے چیلنج سے نبرد آزما ہونے کے لیے مختلف گر ہوتے۔ وہ فصیح وجمیل عربی زبان پر ذخیرۂ الفاظ اور قواعد کے ذریعے مکمل گرفت رکھتے۔ پورے قرآن کے حافظ تھے۔ حدیث پر بھی گہری نظر تھی۔ دونوں کے اسرار کا گہرا شعور رکھتے تھے۔ اور نہایت مہارت سے علم کے ان دونوں سرچشموں کو کام میں لاتے۔ ساتھ ہی ساتھ معاصر ثقافت ومعلومات کا احاطہ کیے ہوئے تھے۔ اس لیے جب وہ مختلف ملکی مسائل، عالمی نزاعات، سیاست، مذہب اور معاشرتی مسائل پر نہایت جرأت، بے خوفی اور مکمل اعتماد سے گفتگو کرتے تو سننے والوں کو مبہوت کر دیتے۔

ایک روز سوال کیا گیا کہ وزیراعظم اسماعیل صدقی پاشا نے اخوان کو فنڈ فراہم کیے ہیں تاکہ وہ ان کو اپنی سیاست کے ڈھب پر لا سکے؟ انھوں نے فرمایا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ اصولاً جو الزام لگاتا ہے اسی کو الزام ثابت بھی کرنا چاہیے۔ کیونکہ ثبوت کی فراہمی مدّعی پر ہے۔ لیکن اگر الزام ثابت کرنے کے بجاے جھگڑے پر اتر آئے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دو اور اس سے یہ کہو کہ بفرض محال اگر تمھارا الزام سچا ہے تو صدقی (وزیراعظم) نے اپنی جیب سے کچھ نہیں دیا۔ دنیا کو یہ جان لینا چاہیے کہ تحریک اخوان کسی بھی صورت اپنی دعوت یا طریق کار سے ایک انچ بھی نہیں ہٹ سکتی، خواہ کوئی اس کے بدلے اسے زمین بھر سونا ہی کیوں نہ پیش کرے۔

شیخ البنا کا ایک ہفتہ وار خطاب 'جمعرات کی بات' سے مشہور تھا۔ یہ یونی ورسٹی کے سطح کے طلبہ کے لیے ہوتا تھا۔ اس کا رنگ وعظ و بیان کے بجاے بحث و مباحثہ کا ہوتا جس میں ہر دفعہ کسی ایک موضوع پر گفتگو اور بحث و تمحیص ہوتی تھی۔ لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا کیونکہ یہ پروگرام شروع ہونے کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد انھیں منصۂ حیات سے غائب کر دیا گیا۔

ایک دن میرے ایک رشتہ دار شیخ محمد الامیر، قاہرہ آئے۔ شیخ البنا سے گہرا تعارف رکھتے تھے۔ چنانچہ ہم ان کی زیارت کے لیے مرکز عام گئے۔ شیخ کی مصروفیات کے پیش نظر انھوں نے ہمیں اگلے دن صبح نو بجے گھر آنے کا کہا۔ مقررہ وقت پر ہم ان کے پاس پہنچے اس وقت وہ حلمیہ میں مرکز عام سے قریب سنجر الخازن روڈ کے قریب قدیم قاہرہ کے گھروں میں سے ایک گھر کی پہلی منزل میں رہایش پذیر تھے۔ انھوں نے سیڑھیوں کے ساتھ متصل کمرۂ استقبال میں ہمارا استقبال کیا۔ میں نے ایک گہرے سکوت کے عالم میں اس شخص کے گھر کا جائزہ لینا شروع کیا کہ جب وہ بولتا تھا تو ہزاروں انسانوں کے جذبات جھنجھوڑ دیتا تھا، جس کے اردگرد عرب مجاہدین جمع رہتے تھے، جس کے ساتھ ہم وطنوں کی بے شمار آرزوئیں وابستہ تھیں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس کا گھر نہایت سادہ سا تھا۔ در و دیوار تو لائبریری نے گھیر رکھے تھے۔ تیسری طرف ایک سادہ سی ڈیسک تھی جس کے سامنے بانس کی دو کرسیاں تھیں جن پر ہم بیٹھ گئے' جب کہ وہ خود اپنی ڈیسک پر بیٹھ گئے۔ ہم سب کے لیے چائے آ گئی۔ وہ دونوں بالائی مصر (صعید) اور اس کے قصبوں میں اخوان کی تنظیم کے موضوع پر اور وہاں سے قاہرہ آنے والے نوجوانوں کی تعلیم کے بارے میں محو گفتگو ہو گئے۔

اس زمانے میں اخوان محض ایک دینی یا سیاسی گروہ نہ تھا' بلکہ ایسی غالب قوت تھی جو سڑک، یونی ورسٹی اور فیکٹری پر چھائی ہوئی تھی۔ اس کی حرکت ایک محکم نظام کے مطابق ہوتی تھی اور اس کے معاملات کو شعبوں اور اداروں کے ذریعے منظم کیا گیا تھا۔ وہ مصر میں پہلی ایسی جامع تنظیم تھی جو ایک مضبوط طریق کار کی روشنی میں عالم عرب و عالم اسلام کے معاملات پر نظر رکھتی تھی۔ عالم اسلامی سے رابطے اور وہاں جاری مختلف تحریکات آزادی و اصلاح سے یک جہتی کے لیے ایک علیحدہ شعبہ قائم تھا۔ ادارے اس کی کارکردگی کا جائزہ لینے اور جدوجہد کو مہمیز دینے کا ممکنہ حد تک اہتمام کرتے۔

○ فکر و عمل کی ہم آہنگی: انھی دنوں حسن البنا نے بحیثیت عربی ٹیچر کے اپنی ملازمت سے استعفا دے دیا تاکہ وہ اپنا کُل وقت دعوت کے میدان میں دے سکیں۔ اپنی ذاتی سادہ سی زندگی کی ضروریات پورا کرنے کے لیے انھوں نے مجلہ المسلمون نکالا جس میں وہ خود اور چند دیگر علما و محققین لکھا کرتے تھے' اور اس کی محدود آمدن سے گزربسر کرتے تھے۔

شیخ البنا میری راے میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کا عمل ان کے فکر سے مکمل طور پر ہم آہنگ تھا۔ ان کے عمل اور دعوت میں کوئی تضاد نہ تھا۔ میرا ان پر یقین اور محبت ایک الہامی قائد کی حیثیت سے تھی۔ ان کی شخصیت کی یہ جھلک میں مجلہ نذیر اور مجلہ دعوۃ کے مدیر مرحوم صالح عشماوی میں دیکھا کرتا تھا اگرچہ انھیں شیخ البنا جیسی بلاغت، بے ساختگی اور حکمت نہ ملی تھی۔ لیکن وہ بھی 'فنافی الدعوت'، زمین پر چلتا پھرتا مجسمۂ اخلاص تھے۔

○ کھلی برطانوی مداخلت: جنگ فلسطین اول کے موقع پر ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو باقاعدہ فوجوں کے داخلے سے پہلے جہاد فلسطین میں اخوان کا کردار بے حد مرکزی اور بنیادی تھا۔ ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو باقاعدہ افواج کی آمد سے پہلے وہی میدان کارزار سنبھالے ہوئے تھے۔ جنگ کے بعد بھی مصری سیاست میں اخوان ہی اصل قوت تھے۔ کوئی اسے نظرانداز نہ کرسکتا تھا۔ مصر سے انگریز کو نکالنے کے لیے عوام کو حرکت میں لانے اور قیادت کی فراہمی میں اخوان نے نہایت اہم اور نمایاں کردار ادا کیا۔ اسی سال نومبر میں انگلینڈ، فرانس اور امریکا کے اعلیٰ سفارت کاروں نے 'فاید' نامی ایک بستی میں اپنا خفیہ اجلاس بلایا۔ 'فاید' بھی نہر سویز کے دونوں کناروں پر واقع تمام علاقوں

کی طرح برطانوی افواج کے قبضے میں تھا۔ ان سفارت کاروں نے وزیراعظم نقراشی پاشا سے اخوان المسلمون پر پابندی لگوائیں۔ مشرق وسطی میں برطانوی فوجوں کے سیاسی امور کے نگران جورج اوپرایان، نے مصر اور بحر متوسط میں برطانوی فوجوں کے تحت کام کرنے والی انٹیلی جنس ایجنسی کو ایک خط بھیجا جس میں اس میٹنگ کی کارروائی اور فیصلے سے مطلع کیا گیا' اور بتایا گیا کہ قاہرہ میں برطانوی سفارت خانہ اخوان المسلمون کی تحلیل کے لیے ضروری اقدامات کرے گا۔

دو ہفتے کے اندر اندر اس اجتماع کے نتائج سامنے آ گئے۔ ۸ دسمبر ۱۹۴۸ء کو نقراشی پاشا نے افواج کے کمانڈر کی حیثیت سے اخوان المسلمون پر پابندی لگانے اور اس کی تمام املاک، فنڈ اور ادارے قبضے میں لینے کا حکم دے دیا۔ اس نے اخوان کے اخبارات پر پابندی اور اس کے ہزاروں کارکنوں کی گرفتاری کے احکامات جاری کر دیے۔

حسن البنا نے کوشش کی کہ بحران کے حل کے لیے وہ وزیراعظم سے بات کریں' کیونکہ وہ حکومت سے ٹکراؤ نہیں چاہتے تھے۔ اگرچہ اخوان المسلمون کی قوت اور جہاد فلسطین میں عملی جنگی تجربات کے بعد وہ اس قابل تھے کہ حکومت سے ٹکرا جائیں اور فتح حاصل کریں۔ مگر شیخ البنا اس حقیقت سے خوب واقف تھے کہ ایک لاکھ سے زیادہ برطانوی فوجی قنا کے صوبے میں مناسب موقع کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں اور نئے سرے سے مصر پر قبضہ کے لیے تیار ہیں' اور یوں وہ نومولود تحریک احیا کو اس کے جنم کے ساتھ ہی دفن کر دینا چاہتے ہیں۔ حسن البنا نہیں چاہتے تھے کہ یہ المیہ دوبارہ رونما ہو۔

نقراشی بہرصورت حکمران رہنا چاہتے تھے اور یہ اسی وقت ممکن تھا جب شاہ فاروق اور انگریز ان سے خوش ہوں۔ چنانچہ اس نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اصلاح احوال کی کسی کوشش کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ اخوان پر پابندی کے فیصلہ کے ۲۰ دن بعد ۲۸ دسمبر ۱۹۴۸ء کو ایک طالب علم نے نقراشی پاشا پر گولی چلا دی جو اس کی موت کا باعث ہوئی۔ یہ طالب علم پولیس کی وردی میں ملبوس تھا۔

۱۲ فروری ۱۹۴۹ء کا حادثہ: نقراشی کے بعد ایک نہایت کمزور، بودے، ہر قیمت پر زندہ رہنے کے حریص شخص ابراہیم عبدالہادی کو وزیراعظم بنایا گیا۔ یہ اس سے پہلے قصر شاہی کے

سیکرٹریٹ کا سربراہ تھا۔ اس نے مصر کو بغیر کسی تحقیق اور ثبوت کے فوجی عدالتی کارروائیوں اور پے درپے گرفتاریوں کی نذر کردیا۔اس کے دور اقتدار میں مصر نے اپنی تاریخ میں پہلی مرتبہ سیاسی گرفتارشدگان کواندوہ ناک اذیتیں ملتے دیکھا۔

دوسری طرف کچھ ادارے یہ چاہتے تھے کہ اخوان المسلمون کے مرشد عام سے نجات حاصل ہوجائے۔ ان میں سرفہرست خود شاہ فاروق تھا، جو اس بات کو نہیں بھلا سکا تھا کہ جنگ فلسطین میں مصر کی دو بنیادی قوتوں نے حصہ لیا تھا۔ایک تو مصری افواج جو اپنے سپریم کمانڈ' یعنی شاہ فاروق سے احکام لیتی تھیں' اوردوسرے اخوان المسلمون کے دستے جو حسن البنا سے احکام وصول کرتے تھے۔حسن البنا کے مجاہدین اپنی تربیت قوتِ ایمانی اور بہترین اسلحے کی وجہ سے ممتاز تھے۔قربانی اور فداکاری کے جذبے کے لحاظ سے بھی نہایت فعال اور نمایاں تھے۔انھوں نے کسی ایک معرکے میں بھی شکست نہیں کھائی تھی۔ چنانچہ وہ (شاہ فاروق) ان سے خوف محسوس کرنے لگا۔ خود انگریز اور صہیونی بھی ان نوجوانوں کے جذبۂ قتال کو دیکھ چکے تھے۔سو یہ ہدف پر متفق ہوگئے اور ابراہیم عبدالہادی کی حکومت کو اکسایا کہ وہ حسن البنا کو ۱۲ فروری ۱۹۴۹ء بوقت شام آٹھ بجے قتل کردیں۔ حملے کے بعد حسن البنا خود ٹیکسی سے اترے۔ وہ زخمی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھے۔ انھوں نے جمعیت شبان المسلمین کے فون پر بے ہوش ہونے سے پہلے دو ہندسے ڈائل کیے،لیکن پورا نمبر ڈائل کرنے سے پہلے ہی بے ہوش ہوگئے۔ انھیں ابتدائی طبی امداد فراہم کرنے کا دعویٰ کرتے ہوئے قریبی ہسپتال اور وہاں سے قصرعینی لے جایا گیااور وہاں انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

○ اللہ کی رحمتیں ہوں ان پر : اگلی صبح میں اپنے گھر کی کھڑکی میں کھڑا تھا جو سیدہ عائشہ میدان میں واقع تھا۔ یہیں سے ایک راستہ امام شافعی قبرستان کی طرف جاتا تھا۔ میں نے ایک 'میت گاڑی' دیکھی، جسے مسلح پولیس کی ایک بھاری نفری گھیرے میں لیے ہوئے تھی اور پیچھے بکتر بند گاڑیاں چل رہی تھیں۔ آگے پیچھے فوجیوں کے سوا کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ کسی کو جنازے میں شرکت کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ مجھے کوئی شک نہ رہا کہ اس میں شہید کا جسد خاکی جارہا ہے۔ میں رویا نہیں، کیونکہ آنسو میری آنکھوں میں خشک ہوگئے تھے اور غم کی چادر مجھ پر تن چکی تھی' وطن